محمد حنیف ندوی

غزالی کی مشہور کتاب
المنقذ من الضلال
کی تلخیص

غزالی کی سرگزشت انقلاب

(۳)

منطقیات

منطق کا دین سے کوئی تصادم نہیں

اس فن پر غور کیجئے تو اس میں بھی کوئی بات دینی تقاضوں سے متصادم نہیں معلوم ہوتی بلکہ اس کا علم دین سے براہ راست نفیاً یا اثباتاً کوئی لگاؤ ہی نہیں کیونکہ اس میں تو صرف اس سے بحث ہوتی ہے کہ دلائل کیا ہیں، ان کی جانچ پرکھ کے کیا کیا پیمانے ہیں، برہان کسے کہتے ہیں؟ اس کے شرائط مقدمات کی نوعیت کیا ہے؟ تعریف کس سے تعبیر ہے اور کیونکر اس کو ترتیب دیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں یہ بتایا جاتا ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں تصور[1] یا تصدیق[2]۔ تصور[1] کو تعریف و حد کے ذریعہ معلوم کیا جاتا ہے۔ اور تصدیق[2] کی پہچان برہان و دلیل سے ہو پاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان میں کوئی چیز ایسی نہیں جس کو دین کے منافی قرار دیا جائے۔ بلکہ یہ تو بعینہٖ وہی باتیں ہیں جن کا متکلمین اور اصحابِ بحث و نظر کے ہاں اکثر چرچا رہتا ہے۔ ہاں تھوڑا سا فرق البتہ ان میں اور منطقیوں میں ضرور ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ انہیں مطالب کے لئے اپنی مخصوص اصطلاحیں استعمال کرتے ہیں اور تعریفات اور ان کی جزئیات میں زیادہ الجھتے ہیں۔ جبکہ وہ زیادہ تعمقات سے کام نہیں لیتے۔ منطق کیا ہے اس کو سمجھنے کیلئے مندرجہ ذیل مثال پر غور کیجئے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ ہر انسان حیوان ہے تو اس سے یہ لازم آیا کہ بعض حیوان انسان ہوتے ہیں۔ اس کو یہ اپنے پیرایۂ بیان اور اصطلاح میں یوں کہینگے کہ موجبہ کلیہ کا عکس ہمیشہ موجبہ جزئیہ ہوتا ہے۔ اس اصطلاحی انکشاف سے دین کہاں مجروح ہوتا ہے؟ اور اس کا دین کے اہم مسائل سے کیا تعلق ہے؟ اس لئے اس کا انکار کیا جائے تو کیوں؟ اور اس کو نہ مانا جائے تو کس دلیل کی بنا پر؟ اور اگر کوئی مسلمان اس کو تسلیم نہیں کریگا، تو اس سے اہل منطق یہی اثر نہیں لینگے کہ یہ شخص عقل و فکر کی صلاحیتوں سے تہی ہے بلکہ ان میں اس کے اس دینی تصور کے بارہ میں بھی سوءِ ظن پیدا ہو گا، جو اس طرح کے انکار پر قائم ہے۔

منطقی دلیل و برہان کے بارہ میں جتنی چھان بین کرتے ہیں۔ الٰہیات میں اسی نسبت سے متساہل ہیں۔

یہاں اس کی افادیت کے باوجود یہ ماننا ہی پڑے گا کہ اہلِ منطق نے اس فن میں خاصی گڑبڑ پھیلا رکھی ہے۔ اور وہ یوں کہ جب دلیل و برہان کی محکمی و استواری بیان کرنا چاہی تو اس کے لئے تو ایسی کڑی شرطیں ٹھہرائیں، کہ جن سے یہ قطعیت و یقین کے درجہ تک پہنچ جائے۔ لیکن جب الٰہیات پر گفتگو کا موقع آیا تو ان شرائط کا حق ادا نہ کیا۔ بلکہ انتہائی

درجے کے تساہل سے کام لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس نے ان کی معقولیت کو، دلائل و براھین کی بحثوں میں آزمایا تھا، اس نے ازراہ سادگی یہ سمجھ لیا کہ ان کفریات سے متعلق بھی جو ان کی کتابوں میں موجود ہیں ان کی چھان بین اور تحقیق و تفحص کا وہی معیار ہوگا۔ حالانکہ واقعہ یہ نہیں۔ لہذا اس سے پہلے کہ یہ الٰہیات کی از خود معرفت پیدا کرتا، ان کے کفریات کے سامنے اس نے اپنا سر جھکا دیا۔ یہ ہے وہ آفت جو منطقیات میں بھی پائی جاتی ہے۔

طبیعیات

طبیعیات میں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ اصل کارفرما طبیعت نہیں فاطر طبیعت ہے

یہ ایک علم ہے جس میں اجسام عالم سے بحث کی جاتی ہے۔ جیسے کہ آسمان نجوم و کواکب۔ پانی، ہوا، مٹی آگ، حیوانات، نباتات اور معادن وغیرہ۔ اس میں ان کے تغیرات، استحالات اور امتزاجات کی کیفیتیں بیان کی جاتی ہیں۔ یہ بحث ایسی ہے کہ جیسے ایک معالج یا طبیب، انسان اور اس کے اعضائے رئیسہ و خادمہ کو نظر و فکر کا ہدف قرار دے، پھر جس طرح علم طب میں اور دین میں کوئی منافات نہیں اسی طرح طبیعیات اور دین میں بھی کہیں تصادم رونما نہیں ہوتا سوا ان چند مسائل کے کہ جن کا ہم نے اپنی کتاب "تہافت الفلاسفہ" میں ذکر کیا ہے۔ یا ان کے علاوہ کچھ اور مسائل کے کہ جن کو انہیں کے ضمن میں شمار کرنا چاہیئے۔ ان مباحث میں قطعی مخالفت ہونا چاہیئے — طبیعیات میں اس نکتہ کو ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ طبیعت بجائے خود فعال اور عامل نہیں۔ اس کو تو اللہ تعالےٰ نے ان کاموں پر مامور کر رکھا ہے چنانچہ یہ آفتاب مہتاب یہ چاند اور ستارے سب اسی کے تابع فرمان ہیں۔ ان کی حرکت و گردش خود ان کے اختیار میں نہیں۔

الٰہیات

وہ تین مسئلے جن میں فلاسفہ کی تکفیر واجب ہے

اس فن میں حکماء نے بہت ٹھوکریں کھائی ہیں اور جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں۔ برہان و استدلال کے سلسلہ میں جو کڑی شرائط انھوں نے عائد کی تھیں۔ یہاں وہ ان کا ایفا نہیں کر پائے یہی وجہ ہے اس باب میں خود ان کے حلقوں میں بہت اختلاف ہے۔ ان میں ارسطاطالیس کا فلسفہ۔ جیسا کہ فارابی، بوعلی سینا نے نقل کیا ہے مذاہب اسلامیہ کے قریب تر رہا ہے۔

یہ سب مسائل جن میں ان کے پائے استدلال کو جنبش آئی ہے۔ کل بیس ہیں۔ تین ان میں ایسے ہیں، کہ جن پر ان کی تکفیر واجب ہے اور سترہ ایسے ہیں کہ ان میں ان کو بدعتی کہنا کافی ہے۔ یہ بیس مسائل کیا ہیں اور ہم نے ان کی کس طرح تردید کی ہے۔ اس کو ہماری کتاب "تہافۃ الفلاسفہ" میں دیکھئے۔ وہ تین مسئلے جن میں انھوں نے کافۃ المسلمین کی مخالفت کی ہے درج ذیل ہیں:

(۱) قیامت کے روز اجسام اُٹھائے نہیں جائینگے۔ اور عقوبت و ثواب کی کیفیتوں سے صرف ارواح مجردہ ہی دوچار ہونگی۔ اس میں اتنی بات تو صحیح ہے کہ روحیں فنا نہیں ہونگی لیکن یہ عقیدہ خلاف شریعت ہے کہ ان روحوں کے لئے کوئی قالب و جسم نہیں ہوگا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا علم صرف کلیات کا احاطہ کئے ہوئے ہے، جزئیات اس کے دائرہ علم سے باہر ہیں - یہ عقیدہ کھلا ہوا کفر ہے - عقیدہ یہ ہے کہ:

لا یعزب عنہ مثقال ذرۃٍ فی السموات و لا فی الارض

حق تعالیٰ سے آسمان و زمین کے اندر کوئی ذرہ بھی اوجھل نہیں

(۳) یہ کارخانۂ عالم ہمیشہ سے ہے اور تا ازل یونہی رہے گا -

کوئی مسلمان بھی ان مسائل میں حکما کا ہم نوا نہیں -

ان مسائل کے علاوہ حکماء کے کچھ اور مخصوص مسائل بھی ہیں - جیسے نفس صفات اور یہ کہنا کہ خدا علیم بالذات ہے - یعنی اس کا علم صفت زائدہ نہیں ہے - بلکہ ذات ہی سب کچھ ہے - وہی خالق ہے اور وہی رب ہے - اس طرح کے مسائل میں ان کا انداز قریباً وہی ہے، جو معتزلہ کا ہے - اس لئے جب ان کی تکفیر نہیں کی جاتی، تو یہ بھی اس تعبیر سے کافر نہیں ہونگے۔ ہم نے اپنی کتاب "فیصل التفرقہ بین الاسلام والزندقہ" میں کھول کر یہ حقیقت بیان کر دی ہے کہ فتوی تکفیر میں جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیئے -

سیاسیات

اس موضوع پر جو کچھ کہا گیا ہے وہ صرف ان حکم و مصالح پر مبنی ہے - جن کا تعلق دین اور امور سلطنت سے ہے اس کا ماخذ الہامی کتابیں اور وہ حکیمانہ اقوال ہیں جو اولیاء سلف سے منقول ہیں -

اخلاقیات

اخلاق میں فلاسفہ کا ماخذ الہامی کتابیں اور اولیاء سلف کے اقوال وکشوف ہیں

اس میں ان کی بحث و تدقیق کا محور نفس انسانی ہے، اس میں نفس کے صفات و اخلاق سے تعرض کیا جاتا ہے اور بتایا جاتا ہے کہ اس کی کیا کیا قسمیں ہیں - اور کس کس تدبیر و مجاہدہ سے نفسِ انسانی کو سنوارا اور چمکایا جا سکتا ہے - اس فن کو بھی حکماء نے خود ایجاد نہیں کیا بلکہ صوفیاء سے لیا ہے - جو عشقِ الٰہی میں سرشار ہیں اس کی یاد میں منہمک ہیں، اور دنیا سے منہ پھیر کر اللہ کی راہ پر گام فرسا ہیں اُنھوں نے جب بڑی بڑی ریاضتیں کیں تو اس سے نفس کے عیوب، اس کی خوبیاں، اعمال اور اس سے متعلقہ آفات ایک ایک چیز نکھر کر ان کے سامنے آ گئی جس کو اُنھوں نے افادہ کی غرض سے بیان بھی کیا - فلاسفہ نے انھیں کشوف کو لیکر اپنے کلام میں سمو لیا - تاکہ اس طرح ان کو اپنے مزعومات باطلہ کے پھیلانے میں کامیابی حاصل ہو - یہ واضح رہے کہ فلاسفہ و حکماء اقدمین کے زمانہ میں بھی صوفیاء کرام موجود تھے - اور وہ کونسا زمانہ ہے جو کہ ان کے وجودِ گرامی سے خالی رہا ہو - اللہ کی یہ سنت ہے کہ ہر دور میں عشاقِ الٰہی کا یہ گروہ موجود رہے - یہ زمین کی میخیں ہیں - انھیں کی برکت سے اللہ کی رحمتیں زمین والوں پر نازل ہوتی ہیں - جیسا کہ حدیث میں آیا ہے : بھم تمطرون وبھم ترزقون ومنھم کان اصحاب الکھف - انھیں کے طفیل

تم پر مینہ برسایا جاتا ہے اور انھیں کی وجہ سے تمھیں رزق سے بہرہ مند کیا جاتا ہے اور اصحاف کہف بھی انھیں میں سے تھے ۔

حق کا پیمانہ خود نفس حق ہے، اہل حق نہیں

صوفیائے کرام کے کلام کو جب علماء نے اپنے کلام میں سمو کر پیش کیا تو اس سے دو قباحتیں پیدا ہوئیں ایک تو ان کے لئے جنھوں نے اس کو مانا اور تسلیم کیا۔ اور ایک اُن کے لئے جنھوں نے اس کا رد اور انکار کیا ۔

رد کرنے والوں کو جس قباحت کا سامنا کرنا پڑا وُہ اپنے نتائج کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ضعیف العقل لوگوں نے جب پہلے پہل ان کے کلام کو جو برسرِ حق بھی ہو سکتا ہے انھیں کی کتابوں میں دیکھا تو بھڑک اُٹھے، انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اس کو ہرگز تسلیم نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ انھوں نے ایسی باتیں اماموں سے سنی نہ تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ محض اس بنا پر کہ ان باتوں کو پیش کرنے والے گمراہ ہیں۔ ان کے وہ اقوال و کلمات بھی ان کی نظروں میں غلط ٹھہرے جو فی الواقع غلط نہ تھے۔

ان کی مثال ایک ایسے سادہ لوح کی ہے۔ جس نے اوّل اوّل "لا الٰہ الا اللہ عیسیٰ رسول اللہ" کا کلمہ کسی عیسائی سے سنا ہو اور اس بنا پر اس کو رد کر دیا ہو کہ اس کا قائل تو عیسائی ہے۔ اگر یہ ذرا تامل کرتا اور غور و فکر سے کام لیتا تو اُسے معلوم ہو جاتا کہ اس نصرانی کو جو کافر ٹھہرایا جاتا ہے تو اس بنا پر نہیں کہ یہ حضرت مسیح کی نبوت کو کیوں تسلیم کرتا ہے۔ بلکہ اس کے کفر کی وجہ دُوسری ہے اور وُہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی رسالت پر ایمان نہیں رکھتا۔ پھر جب یہ معلوم ہو گیا، کہ عیسائی کا کفر آنحضرتؐ کے انکار کی وجہ سے ہے تو دُوسرے مسائل و اُمور میں ان کی تکذیب نہیں کرنا چاہیئے جن میں کہ یہ برسرِ حق ہو سکتے ہیں۔ محض اس لئے کہ وہ فی نفسہٖ گمراہ ہیں۔ ضعیف العقل لوگوں میں درحقیقت یہ ہمہ گیر کمزوری ہوتی ہے کہ وُہ حق کو 'رجال' کے پیمانہ سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ پہلے حق کا براہ راست مشاہدہ کرنا چاہیئے اور پھر رجال کی تعین کرنا چاہیئے۔ یہی مطلب ہے حضرت علیؓ کے اس قول کا:

لا تعرف الحق بالرجال (بل) اعرف الحق تعرف اھلہ ۔

حق و راستی کو آدمیوں کے ذریعے سے نہ پہچان۔ بلکہ پہلے حق کو پہچاننے کی کوشش کر۔ پھر اہل حق کی معرفت خود بخود حاصل ہو جائیگی۔

عارف کفر وضلالت کی تاریکیوں میں سے بھی حق کی تجلیات کو پالینے میں کامیاب ہو جاتا ہے

چنانچہ ایک عارف سب سے پہلے یہ دیکھتا ہے کہ حق کیا ہے پھر جب وُہ حق کو پا لیتا ہے تو اس کی قطعی پرواہ نہیں کرتا کہ یہ مبطل کے توسط سے ملا ہے یا حق پرست کے ذریعہ سے۔ بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر وُہ کوشش کرتا ہے کہ گمراہ کن کلمات میں بھی اگر کوئی رمق حق کی موجود ہے، تو اس پر قبضہ جمالے۔ کیونکہ وُہ خوب جانتا ہے کہ سونا جب کان سے نکلتا ہے تو وُہ بے آمیز نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص سونے کی شناخت رکھتا ہے تو اس میں کیا مضائقہ ہے کہ وُہ قلب ساز کے تھیلے میں بے خوف و خطر دو تو ہاتھ ڈالدے۔ کیونکہ اسے اچھی طرح علم ہے کہ کھوٹے اور کھرے سکّے میں کیا فرق ہے۔ ہاں ایک دیہاتی آدمی اگر اس طرح کے ہشیار قلب ساز سے لین دین رکھے گا تو یقیناً ٹھوکر کھائیگا۔ لہٰذا اس کو اس سے باز رکھنا چاہیئے۔ اسی طرح جو ناداں پیراکی نہیں جانتے ان کو بلاشبہ سمندر کے کنارے ٹہلنا نہیں چاہیئے۔ لیکن جو سمندر کو کھنگھالے ہوئے ہے اس کو

شناوری سے کون روک سکتا ہے۔ بچے تو سانپ دیکھ کر ڈریں اور سہمینگے مگر کامل فسونگر کو ان سے کیا اندیشہ ہو سکتا ہے۔

لیکن اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو کامل نہیں ہیں اگرچہ ان کا گمان یہ ہے کہ وہ کامل ہیں ایسے سب لوگوں کو اہل ضلالت کی کتابوں کے مطالعہ سے باز رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ اگر اس قباحت سے بچ بھی گئے جس کا تعلق رد کرنے سے ہے تو اس دوسری قباحت سے جو قبول سے متعلق ہے نہیں بچ سکیں گے۔ جس کا ہم ذکر کرنے والے ہیں۔ ایسے برخود غلط حضرات کس درجہ ناقابل اعتماد ہوتے ہیں؟ اس کا اندازہ اس سے لگائیے، کہ میری کتابوں میں جو کلمات اسرار دین کے بارہ میں جابجا بکھرے ہوئے ہیں۔ ان پر ایسے ہی کم فہم لوگوں نے اعتراض کیا۔ جن کی طبیعتوں میں ہنوز علم اچھی طرح رچا نہیں۔ اور جن کی چشم بصیرت پر اعلیٰ درجہ کے دینی نتائج و تصورات منکشف نہیں ہو پائے ـــ انھوں نے یہ سمجھا کہ یہ کلمات حکماء و فلاسفہ سے لئے گئے ہیں۔ اور انسانی قلب و دماغ کے آفریدہ ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں۔ یہ سب کلمات یا تو کتب شریعت میں پائے جاتے ہیں۔ یا معنی کے اعتبار سے صوفیاء کے ہاں مل جاتے ہیں۔ ہاں ہو سکتا ہے کہ اس سلسلہ میں توارد واقع ہو گیا ہو۔

اور پھر یہ بھی کوئی اُصول نہیں۔ کہ اگر یہ کلمات اوائل کی کتابوں میں ملتے ہیں تو ان کو مسترد ہی کر دیا جائے۔ اگرچہ کتاب و سنّت سے ان کی تائید ہوتی ہو۔ اور فی نفسہ ان میں معقولیت و استواری کے حدود سے تجاوز نہ کیا گیا ہو۔ کیونکہ اگر اس اصول کو مان لیا گیا، اور ایک مرتبہ اس دروازے کو کھول دیا گیا تو پھر وہ تمام آیات، احادیث، حکایات سلف اور حکماء و صوفیاء کے اقوال لائق استرداد ہو جائیں گے۔ جن کو "اخوان الصفا" کے مرتبین نے اپنے تصورات کو حق بجانب ٹھہرانے کے لئے پیش کیا ہے۔ اور رچا ہا ہے کہ ضعفاء العقول ان سے متاثر ہو کر ان کے مزخرفات لاطائل پر ایمان لے آئیں۔ مزید برآں اس اُصول کے مان لینے سے یہ بھی لازم آئے گا۔ کہ حکماء حق و راستی کی بہت سی باتوں کو یہ کہہ کر ہمارے ہاتھ سے چھین لیں کہ ان کو تو ہم اپنی کتابوں میں لکھ چکے ہیں۔ کم از کم علماء کو تو عوام کی سطح سے اونچا رہنا چاہیئے۔ اور شہد سے محض اس بنا پر نفرت نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ بجائے مصفا شیشہ کے حجام کے محجمہ میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ محض تبدیلیِ ظرف سے مظروف اور شہد کی فطرت میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہو جاتی۔

عوام کی ایک کمزوری: دراصل یہ عوام کی کمزوری ہے کہ اگر کوئی بات ایسے لوگوں کی طرف منسوب ہو جن کو یہ اچھا سمجھتے ہیں۔ تو اس کو بغیر کسی تامل کے مان لیں گے۔ اگرچہ یہ بات غلط اور باطل ہی ہو۔ لیکن اگر صحیح اور درست بات بھی ایسے ذرائع سے ان تک پہنچے، جن کے بارہ میں ان کی رائے اچھی نہیں ہے تو اس کو فوراً ٹھکرا دیں گے۔ گویا ان کے نزدیک حق و باطل کا پیمانہ نہ خود حق و باطل نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جن کی طرف ان کا انتساب ہوتا ہے۔ بس یہی گمراہی ہے۔

۲۔ دُوسری قباحت وُہ ہے جس سے قبول کرنے والے دوچار ہوتے ہیں۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ جس شخص نے ان حکماء کی کتابیں پڑھیں۔ جیسے مثلاً "اخوان الصفا" ہے۔ اس کی نظر جب ان کلمات پر پڑے گی، جو حکم نبوت سے مستفاد ہیں، یا جو صوفیاء کے ہاں مشہور و متداول ہیں، تو وہ ان کو لامحالہ پسند کریگا۔ اور یہ نہیں جان پائیگا کہ اس حق کے ساتھ کچھ

باطل بھی ملا ہوا ہے ۔ لہٰذا وہ ان اقوال و حکم کے ساتھ ساتھ حسنِ اعتقاد کی بنا پر ان مزخرفات کو بھی ماننے لگے گا ۔

اِس خطرہ کے پیشِ نظر یہ نہایت ضروری ہے کہ عوام کو ان کتابوں کے مطالعہ سے اسی طرح باز رکھا جائے جس طرح کہ پیراکی نہ جاننے والے کو دریا میں اترنے اور نہانے دھونے سے باز رکھا جاتا ہے' یا جیسا کہ بچوں کو اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی ، کہ وُہ سانپ سے کھیلیں ۔ یہ ممانعت صرف ان لوگوں کے لئے ہے جو اس فن کے شناور نہیں اور جن کی حیثیت محض عطائیوں کی سی ہے ۔ جس طرح ایک افسونگر کے لئے ضروری ہے کہ اپنے چھوٹے بچوں کے سامنے سانپ کو نہ چھوئے' کہ مبادا وُہ بھی اس معاملہ میں باپ کی تقلید کریں اور مارے جائیں ۔ اسی طرح ایک عالم راسخ کے لئے ضروری ہے کہ عوام کے سامنے ایسے فلسفیانہ مسائل بیان نہ کرے ۔ افسونگر کو سانپوں سے کھیلنے کی اس بنا پر اجازت ہے ، کہ وہ یہ خوب جانتا ہے کہ زہر کا تریاق کیا ہے ۔ اسی طرح ایک ماہر صراف جس کو کھرے کھوٹے کا فرقِ معلوم ہے ۔ اگر قلب ساز کے تھیلے میں ہاتھ ڈال دیتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اسے اچھی طرح معلوم ہے کہ کھرے کھوٹے میں کیا امتیاز ہے ۔ پھر جس طرح یہ افسونگر اپنے تریاق سے خواہشمندوں کو محروم نہیں رکھتا اور صراف حاجتمندوں کو اس میں سے بے دریغ عطا کرتا ہے اسی طرح ایک عالم کو چاہیئے کہ اپنے ان معارف علمی سے جن کو اس نے کتاب و سنّت اور فلسفہ و حکمت کے مطالعہ و فکر سے حاصل کیا ہے عوام کو بھی بہرہ مند کرے ۔

اور عوام کو بھی چاہیئے کہ سرِ تسلیم خم کریں اور ان معارف کے تسلیم کرنے سے بعض اس بنا پر انکار نہ کر دیں ۔ کہ ان کو تو فلسفہ و حکمت کی کتابوں سے نکالا گیا ہے کیونکہ صرف قرب و صحبت سے حق و باطل کی ماہیت نہیں بدل جاتی ۔ ان کو اچھی طرح سمجھانا چاہیئے ، کہ تریاق اگرچہ سانپ کے جسم سے نکالا جاتا ہے لیکن اس پر بھی وہ تریاق ہی رہتا ہے زہر نہیں ہو جاتا ۔ اسی طرح سے کھرا سونا قلب ساز کے تھیلے میں اگرچہ کھوٹے سونے کے ساتھ مِل جل کر رہتا ہے مگر اس سے اس کی آب و تاب اور چمک دمک میں مطلق فرق نہیں آتا ۔ ٹھیک یہی معاملہ حق و باطل کا ہے ۔ حق جہاں بھی ہے حق ہے اور باطل جس شکل میں بھی پایا جائے باطل ہے ۔ یہ ہیں فلسفہ کی قباحتیں ۔

افکارِ غزالی : مصنفہ مولانا محمد حنیف ندوی ۔ "احیاء العلوم" کی مختصر مگر مستند تلخیص ۔ جس میں غزالی کے تمام علمی و اصلاحی افکار کی جھلک موجود ہے ' علم اور اس کے حدود کیا ہیں ؟ علماء حق یا طالبان آخرت اور علماءِ سو یا شیفتگانِ رذائلِ دُنیا میں کیا فرق ہے ؟ زندگی کے فقہی انداز میں کیا قباحتیں ہیں ؟ مناظرہ و جدل کیوں ناجائز ہے ؟ ریا کیا ہے ؟ اخلاص کس سے تعبیر ہے ؟ اصلاحِ باطن کیوں ضروری ہے ؟ ظاہر و معنی میں کیا ربط ہے ' اور کہاں کہاں ؟ ہم مجبور ہیں کہ الفاظ و ظواہر کے اقتضاء کو چھوڑ کر مغز و معنی اور روح و اصل کی طرف رجوع کریں ۔ اس ڈھنگ کی بیسیوں عارفانہ بحثیں ہیں جو اس کتاب کی وسعتوں میں سمٹ آئی ہیں ۔ قیمت پانچ روپے ۔

ملنے کا پتہ : ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ ۔ ۲ ۔ کلب روڈ ۔ لاہور (پاکستان)